سلسلہ اشاعت امامیہ مشن نمبر (۱۰۷)

اسیرِ حج

مطبوعہ الواعظ صفدر پریس لکھنؤ
کیننگ اسٹریٹ

قیمت ۲؍
محصولڈاک ۱؍

(مصنفہ)

حضرت سید العلماء مولانا السید علی نقی النقوی

دام ظلہ

امامیہ مشن کی ستر وینبی خدمت

واقعات کربلا کا آخری باب "اسیری اہل حرم" ہے بسا اوقات یہ اعتراض گوش زد ہوا ہے کہ حضرت سید الشہداء کا اہلحرم کو اپنے ساتھ لیجانا اس سفر میں مصلحت کے خلاف تھا۔

موجودہ رسالہ میں اسی اعتراض کے تار و پود کو بکھیر اگیا ہے اور مذہبی و فلسفی دونوں حیثیتوں سے اس کا جواب دیا گیا ہے امید ہے کہ افراد قوم اس رسالہ کو خرید کر غیر اقوام میں تقسیم فرمائیں۔ والسلام

خادم قوم

سید مصطفےٰ حسن رضوی

آنریری سکریٹری امامیہ مشن نخاس لکھنؤ

محرم ۱۳۵۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید الانبیاء والمرسلین و آلہ الطاہرین۔

تمہید

دور فلک میں سیکڑوں ہی واقعات ایسے پیش آتے رہتے ہیں جن کے اسباب و علل سمجھنے سے انسانی فکریں عاجز رہتی ہیں، جن کے رازہائے سربستہ ناخن ادراک کے لئے عقدہ لاینحل اور جن کے پوشیدہ اسرار و حقائق ہمیشہ سطحی نظروں سے تاریکی و غموض کے ظلمات بعضہا فوق بعض، تہ بہ تہ اور طبق اندر طبق پردوں ہی میں رہتے ہیں۔

انسانی مردم شماری کی طرح اگر دنیا، نہیں بلکہ ایک ملک، نہیں ایک صوبہ، ایک شہر کے دن رات کے چوبیس گھنٹے اور گھنٹوں کے اندر ہر دقیقہ اور ہر ثانیہ میں ہونے والے حوادث کا جائزہ لیا جائے تو یقیناً ان میں ایسی تعداد زیادہ ہو گی جن کے علل و مصالح سمجھنے سے عقل انسانی قاصر رہی ہے۔

اور درصورتیکہ یہ تمام حوادث ایک مرتب نظام کے ماتحت قادر حکیم باشعور و ارادہ ہستی کی طرف استناد رکھتے ہیں یہ کہنے کی گنجائش

باقی نہیں رہتی کہ درحقیقت یہ تمام حوادث جن کے اسباب وعلل سمجھنے سے ہماری عقل قاصر رہی ہے بجائے خود مصالح وحِکم سے خالی ہیں اور ایک پیر کہن سال کے مرتعش ہاتھ کی حرکت اور سرسامی مریض کی ہذیانی گفتگو یا ایک بے شعور اور لایعقل شخص کی، نا سمجھی بوجھی حرکات کے مثل ان میں فوائد و اغراض کا پتہ نہیں، بے شک وہ اشخاص جو ان تمام حوادث کو بے حس و ارادہ بے بصر و بصیرت طبیعت کا ثمرہ اور ذرات مادہ کے خلط و اختلاط، فعل و انفعال کا نتیجہ سمجھ کر قادر و حکیم علی الاطلاق ہستی کے اعتقاد سے بہ گمان خود مستغنی ہو گئے ہیں، اُن کے لیے میدان صاف ہے، اُن کا ان افعال کو بے شعور و ارادہ طبیعت کی طرف منسوب کرنا خود ہی اس قسم کے بکھیڑوں سے نجات کا ضامن ہے اصول و عقائد اور رموز و حقائق کی پہلی بحث واحد واجب الوجود قادر و مرید ہستی کے ثبوت کو طے کرنے کے بعد ہی انسان کا قدم ایک نامحدود وسعت سے نکل کر محدود دائرہ میں مقید ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے اس کی سُرعت رفتار جو اب تک ہر قسم کے قیود سے معرا ہونے کے باعث دنیا کے تیز رو ترین اشیا سے زیادہ تیزی دکھلانے کا حوصلہ رکھتی تھی اب اپنے تئیں غیر معمولی قیود کا پابند پا کر اعتدال پر مجبور ہوتی ہے اور راستے کے داہنے بائیں گڑھوں، نالوں، کھوڑوں سے بچتے ہوئے سیدھے

راستے پر چلنے کے ساتھ ساتھ اس کو بعض ایسے نقطوں پر پہونچ کر رک بھی جانا پڑتا ہے کہ جن کے آگے اس کو چلنے کا راستہ دکھلائی نہیں دیتا۔

انسان کا قدم ایسے تاریک مواقع پر پہونچ کر ٹھٹکتا ہے کہ جہاں اس کی عقل کا چراغ جھلملانے لگتا ہے، جس کے آگے اس کو تاریکی کا ایک عظیم دریا موجیں مارتا ہوا ملتا ہے جس کو طے کرنے سے اس کے تمام موجودہ افکار و قویٰ قاصر نظر آتے ہیں، اس کو ان موقعوں سے دوچار ہونے کے بعد جہل و قصور کا اعتراف کیے بغیر چارۂ کار نظر نہیں آتا اور اس کو یہی کہنا پڑتا ہے کہ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم ۔

اگر حوادث کائنات میں سے ہر حادثہ کے اسباب و علل سے بحث کو انسان اپنا وظیفہ بنائے تو اس کو ایسے مواقع بہت پیش آئیں گے جہاں اس کو اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے حکیم و فاد رہستی کے مخصوص اسرار و حکم پر محول ہونے کی ضرورت پیش آئے گی لیکن چونکہ ان میں سے ہر واقعہ اپنی عظمت و اہمیت کے اعتبار سے اس قابل نہیں ہوا کرتا کہ وہ انسانی افکار کو اپنی طرف متوجہ کرلے، ایک ہوا کا جھونکا، درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہوا برگ اور فضا میں اڑتے ہوئے ابر کی نقل و حرکت اس قابل کہاں کہ فکریں اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور دنیا اس کے اسباب و مصالح کی فکر میں غلطاں و پیچاں ہو یہ تو ان حوادث و کائنات کا تذکرہ ہے جو عالم کون و فساد میں

رونما ہوتے رہتے ہیں اور جن کا براہ راست تعلق خالق کائنات کے ارادہ و مشیت سے ہے، وہ افعال جو فاعل مختار یعنی انسانی افراد سے سرزد ہوتے ہیں اُن میں ایسے افعال کا پایا جانا خلاف توقع نہیں جو مصالح و فوائد سے خالی بلکہ اس کے برعکس مضار و مفاسد کا موجب ہوں، اسی لحاظ سے عام افراد انسان کا کوئی طرز عمل انتقاد و اعتراض سے بالاتر نہیں ہے بلکہ بیشتر اشخاص کی سیرت اور ان کے افعال و اعمال اس کے مستحق بھی نہیں کہ اُن کی صحت و عدم صحت کی فکر میں بحث و تحقیق کی زحمت کو برداشت کیا جائے۔

لیکن واقعہ کا تعلق اگر ایک ایسی ہستی کے ساتھ ہو جس کی عظمت عام طور پر مسلم ہے تو اس میں اہمیت پیدا ہو جانا ناگزیر ہے اور اس وقت اُس کے اسباب و علل اور منافع و فوائد سے بحث عقلا کے افکار کا متفقہ نقطۂ نظر بن جاتی ہے ایسے وقائع کی اہمیت اس وقت زیادہ ہو جاتی ہے کہ جب وہ کسی مذہبی اعتقاد کا سنگِ بنیاد ہوں اور اُس وقت بھی کہ جب وہ واقعہ اپنی ندرت اور بے مثالی کے باعث دنیا کے واقعات میں خاص درجہ رکھتا ہو اور اُس وقت بھی کہ جب اُس پر بااہمیت نتائج و آثار کا مرتب سلسلہ قائم ہو اور وہ ایک اہم تاریخی دور کا پیش خیمہ ہو ایسے واقعات اگرچہ محیط فلک کی گردش کے ساتھ ساتھ خود فنا ہو جاتے ہیں لیکن اپنے

اسباب و علل کی بحث کو عقلائے زمانہ کے افکار کا ایک نامعلوم مدت کے لئے مشغلہ بنا جاتے ہیں

واقعات کربلا اپنی اہمیت کے اعتبار سے عالم کے واقعات میں اپنی آپ مثال ہیں، ان میں سے ہر واقعہ اُن تمام وجوہ کو لئے ہوئے ہے جو کسی واقعہ کو اہم بنانے کے ذمہ دار ہیں، اُن کا تعلق براہ راست ایک ایسی ہستی سے ہے جس کی عظمت شرق و غرب کے کروڑہا انسانوں کے دلوں کو سر بسجود بنائے ہوئے ہے اور اس حیثیت سے بھی کہ عالم کی ایک مقتدر اور کثیر التعداد جماعت (شیعہ) اس مقدس ہستی کو امام مفترض الطاعۃ سمجھتی ہے نیز اس حیثیت سے کہ ندرت اور بے مثالی میں اس کی نظیر ازل و ابد کی حدوں کے درمیان دیکھنے میں نہیں آئی اور اس حیثیت سے بھی کہ وہ عظیم انقلابات و تغیرات کا پیش خیمہ قرار پایا، ان وجوہ کی بنا پر کوئی تعجب نہیں کہ یہ واقعات صدیاں گزرنے کے بعد بھی برابر افکار و عقول کے لئے مرکز توجہ بنے رہے اور ہمیشہ ہی ان کے اسباب و علل میں بحث کا سلسلہ قائم رہا۔

چنانچہ ہمارے سامنے اعتراض یہ پیش ہے کہ جب سید الشہداء کو معلوم تھا کہ وہ اس سفر میں شہید کئے جائیں گے اور آپ کے بعد اہل حرم کی اسیری یقینی ہے تو پھر ان اہلبیتؑ کو اپنے ساتھ لے کر نکلنے کے کیا معنی؟

کیا یہ خود اپنے ناموس و عزت کو دشمنوں کے ہاتھوں ہتک حرمت کے لیئے دے دینا نہیں ہے اور کیا سیاست و عاقبت اندیشی اس بات کی مقتضی نہ تھی کہ آپ ابن عباسؓ و دوسرے لوگوں کے مشورہ پر عمل کرتے جو اہل حرم کو مدینۂ منورہ میں چھوڑ جانے کے حامی تھے؟

بحث کا پہلا رُخ

مذہبی نقطہ نظر

اس مقنع پر مجھے بہت سے علمائے مذہب کیطرح یہ کہدینا بہت آسان ہے کہ اس قسم کے سوالات کا جن میں ائمہ دین یا انبیاء مرسلین کے طرز عمل پر نکتہ چینی کا عنوان ہو ہمارے مذہبی اصول کی بناء پر موقع ہی باقی نہیں رہتا ہم کو ادلۂ قطعیہ اور براہین یقینیہ نے ایک ایسے مرکز پر پہونچا دیا ہے جہاں سے امامت و نبوت و توحید کی کڑیاں اس طرح متصل ہو جاتی ہیں جن کے اندر جدائی ناممکن ہے، امام پر الزام اُس کی ذات سے تجاوز کر کے رسول تک منتہی ہوتا ہے اور آخر میں ذات احدیت تک سرایت کرتا ہے، عصمت کے مرحلہ کو مخصوص ادلہ و براہین کے تحت میں طے کر لینے کے بعد اس کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی کہ ان ذوات مقدسہ

کے افعال کو محل نقد و اعتراض قرار دیا جائے۔ اُن بزرگانِ دین کی مثال بالکل ایک ایسے شخص کی ہے جس کو سلطان نے پورے طور پر جانچ کر ایک بڑے منصب کے لیئے اہل سمجھ لیا ہو اور اسی اہلیت کی بنا پر اُس کو سفیر بنا کر ایک خاص شہر میں بھیجا ہو کہ وہاں مطلوبہ اغراض و مقاصد کی تکمیل کرے سلطان کی جانب سے اُس کو ایک مخصوص دستور العمل بھی دے دیا گیا ہو جس سے یکسر مو تجاویز کرنے کا اُس کو حق نہیں ہے اسی صورت سے انبیا و ائمہ اپنے اپنے دور رسالت و امامت میں ایک خاص دستور العمل کے پابند ہیں جس میں ابتدائے دور سے لے کر انتہا تک ہر وقت کی مناسبت سے مخصوص حکم و مصالح کے ماتحت ایک حکم قرار دیا گیا ہے جس کی پابندی اُن پر فرض ہے۔ اور بعض مواقع پر جہاں مقصد کی تکمیل کے لیئے قربانی کی ضرورت ہو وہاں جس قسم کی قربانی ضروری ہو وہ بھی اُن کے فرائض میں داخل ہی، ان حکم و اسرار سے جو اس قسم کے احکام کا منشا ہیں رعیت کو بحث کا کوئی حق نہیں ہے۔ مگر یہ طریقۂ گفتگو اصولی حیثیت سے کتنا ہی مستحکم کیوں نہ ہو) موجودہ زمانہ کی آب و ہوا کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔

آج کے زمانہ کا معترض اس طرح کا جواب سُن کر اپنے اعتراض کی حقانیت کا زیادہ معتقد ہو جاتا ہی اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کا کوئی جواب ممکن ہی

نہیں ہے اس لیۓ میں چاہتا ہوں کہ حسین بن علی کی شخصیت پر معترض کے نقطۂ خیال اور زاویۂ اعتقاد کے مطابق نظر ڈالوں۔

بحث کا دوسرا رُخ

فلسفی حیثیت

میں حسینؑ کو صرف اس حیثیت سے دیکھتا ہوں کہ وہ ایک بلند مرتبہ عالی نسب باہمت انسان اور ایک محترم قبیلہ (بنی ہاشم) کے بزرگ خاندان اور سردار ہیں جو اپنے تئیں حسب نسب اور اُن اوصاف وکمالات کے باعث جو اُنھیں حاصل ہیں یزید سے زیادہ خلافت وسلطنت کا مستحق سمجھتے ہیں اور اُن کا مقصد یہ ہے کہ جس صورت سے بھی ہو یزید سے کہ جو بلا استحقاق غاصبانہ طور پر مسندِ حکومت کا مالک بنا بیٹھا ہے اپنے حق کو حاصل کر لیں یا کم سے کم خود یزید کو خلیفہ وقت تسلیم کر کے اُس کی بیعت میں داخل نہ ہوں جبکہ یزید کے رسوائے عالم افعال آفتاب سے زیادہ روشن ہیں اور یہ امر پایۂ ثبوت تک پہونچ چکا کہ اگر یزید اسی صورت سے خلافت اسلامیہ پر قابض رہا تو کچھ ہی دن میں شعائر اسلامیہ نیست ونابود اور شریعت نبویہ کے فرائض وسنن نسیاً منسیاً ہو جائیں گے۔ اسلامی افراد کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑ چکے تھے الناس علی دین ملوکھم کے فطری

قانون کے مطابق ہر شخص کو اسلامی قانون کی خلاف ورزی میں خاص لذت محسوس ہونے لگی تھی، وہ اشخاص جن کے دل میں احساس مذہبی باقی تھا سلطنت کے خوف اور اپنی کمزوری کے باعث سکوت پر مجبور تھے، ان حالات کے اندر حسینؑ یزیدی سلطنت کا تختہ الٹنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اُن کا آخری نقطہ نظر یہ بھی نہیں کہ خود تخت حکومت پر بیٹھ کر دنیا کے مال و منال اور لذت حیات دنیا سے متمتع ہوں بلکہ اُن کا مقصود اصلی یہ ہے کہ امت اسلامیہ کو اس ظالم کے فولادی پنجہ سے رہا کریں جس نے اُس کو دینی و دنیوی ہر قسم کی ہلاکت میں ڈال رکھا ہے اس کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ رائے عامہ کو یزید کے خلاف برافروختہ کردیں، جمہور مسلمین، تمام رعایا کے سامنے یزید کی اخلاقی پستی اور اسلام دشمنی کو مجسم صورت میں پیش کریں اور دنیا کو دکھلادیں کہ یہ شخص کسی صورت سے سلطنت مسلمین کا حقدار نہیں ہے۔ امام حسینؑ کو اس مقصد کے حصول میں اس سے زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز کوئی تدبیر نظر نہ آئی کہ وہ اپنے نفس کو خطرات کے مقابلہ میں پیش کردیں، اپنے تئیں ہر قسم کے مصائب کا نشانہ بنا کر عالم کے سامنے ظالم اور مظلوم کا انتہائی حیرت انگیز مرقع دکھلادیں جس میں ایک طرف حق و صداقت، رحم و کرم، اخلاص عمل اور وفا ثبات قدم، جانبازی، صبر و تحمل اور دوسری طرف ظلم و ستم جفاکاری

قساوت قلب، بے حمیتی، کم ظرفی، وحشیت و حیوانیت کا مکمل نقشہ موجود ہے اور اس کے سبب مسلمانوں کے دلوں پر وہ چوٹ پڑے جس کا نتیجہ انقلاب سلطنت کی صورت میں نمایاں ہو، صرف قتل ہو جانا اس مقصد کو پورا نہیں کر سکتا تھا، عرب قوم میں بات پر مرمٹنا ایک معمولی بات تھی، عربی جانبازوں کی آخری سانسیں اکثر تلواروں ہی کی چھاؤں میں چلتی تھیں، پھر فرزند رسولؐ بھی اگر اپنی جان سے گزر کر قتل کو منظور کر لیتے تو اس کو کوئی خاص اہمیت عام نفوس میں حاصل نہیں ہو سکتی تھی حسینؑ نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے اہل حرم کو اپنے ساتھ رکھنا ضروری سمجھا، عورتوں اور بچوں کے ساتھ ہمدردی انسانی طبائع میں فطری طور پر داخل ہے اور بالخصوص عرب قوم میں غیرت و حمیت کے تحت میں یہ جذبہ خصوصیت سے پایا جاتا ہے، فرزند رسولؐ یزید اور اس کے بندۂ زر اتباع سے یقین رکھتے تھے کہ وہ بخیال خود فتح پانے کے بعد ان بے والی ووارث عورتوں کے ساتھ رحم و کرم کا کچھ بھی خیال نہ کرینگے اور مظالم و مصائب کا سلسلہ ان اہل حرم کے ساتھ ایک طویل مدت تک جاری رہے گا، خاندان رسولؐ کے مخدرات مختلف شہروں میں پھرائے جائیں گے، قید خانہ میں مقید کیئے جائیں گے اور ان کے ساتھ ہر قسم کا ظلم و ستم روا رکھا جائے گا اس کا اثر یہ ہوگا کہ فوراً نہیں تو کچھ عرصہ کے بعد مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں گی اور دلوں میں جذبات حزن و ملال

سے تلاطم برپا ہو گا، یقیناً بنی امیہ کی سلطنت تباہ ہوگی، حسینؑ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے، ظاہری صورت سے تو یزید نے حسینؑ اور اُن کے تمام انصار و اعوان کو قتل کر ڈالا لیکن حقیقتہً حسینؑ نے یزید اور تمام بنی امیہ کو اُن کی پوری سلطنت سمیت قتل کیا، حسینؑ کی فتح ہوئی اور یزید کی شکست اور شکست بھی ایسی کہ روز قیامت تک جس کے بعد فتح نصیب نہیں ہو سکتی

سید الشہدا کا تبلیغی نقطہ نظر

امام کو معلوم تھا کہ وہ قتل کیے جائیں گے، بے شک معلوم تھا بلکہ یہ بھی معلوم تھا کہ تمام اعوان و انصار اعزا حتیٰ شش ماہہ بچہ بھی باقی نہ رہے گا۔ مردوں میں سوائے ایک بیمار فرزند کے کوئی نہ بچے گا سب دو پہر کے عرصہ میں قتل ہو جائیں گے، یہ بھی یقینی تھا کہ بنی امیہ آپ کے قتل کو مختلف لباس پہنا کر دنیا کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرینگے کہ آپ کا قتل مذہبی قوانین کے لحاظ سے قابل اعتراض نہیں بلکہ اصُول کے مطابق ہے اور یہ کہ حسینؑ خلیفہ وقت پر خروج کے باعث اس کے مستحق تھے کہ اُن کو قتل کیا جائے، عراق میں امیر المومنین کی چند روزہ خلافت ظاہریہ کی بدولت اہلبیت رسولؐ کو پہچاننے والے کچھ نہ کچھ تعداد میں موجود تھے لیکن شام نے اسلامی دنیا میں آنکھ کھول کر سوائے

کی صورت میں ہو کیا دے سکتی ہے ؟ کیا اُس کے دل میں اتنی طاقت، زبان میں اتنی قوت باقی رہ سکتی ہے کہ وہ جواب سنجیدگی کے ساتھ دے لیکن ذرا ان لفظوں میں غور کرو جو زینب کبریٰ نے جواب کی صورت میں کہیں، ان میں کہیں اضطراب خوف، بے صبری، ناسمجھی کی جھلک ہے ؟ "میں نے تو اچھا ہی اچھا دیکھا، یہ وہ لوگ تھے جن پر قتل ہونا خط تقدیر نے لکھدیا تھا، وہ اپنے پیروں سے اپنے مقتل کی طرف گئے اور وہ دن دُور نہیں کہ جب خدا کے سامنے تیرا اور اُن کا مقابلہ ہوگا اور تجھ کو جواب دہی کرنا ہوگی اُس وقت دیکھنا کہ فتح کس کی ہے ؟"

زینب کے یہ جملے معانی کا دفتر اپنے دامن میں لیئے ہوئے ہیں، فلسفۂ مظلومیت کے تمام نکات و اسرار ان چند کلموں میں مضمر اور عقیدۂ معاد اور دار آخرت کی تبلیغ ان کا مخصوص جوہر ہے۔

ابن زیاد کے لیئے سنجیدہ بحث کا دروازہ بند تھا، اُس کی زبان رُک چکی تھی اُس کی تمام ظاہری شان و شوکت، دولت و ثروت ان الفاظ کا جواب دینے کیلئے کام آنے والی نہیں تھی اُس کو سب و شتم اور عامیانہ گفتگو کے سوا چارہ کار نظر نہ آیا

ابن زیاد: "خدا کا شکر کہ تم لوگوں کو قتل کیا، تمھیں رُسوا کیا اور تمھاری باتوں کو جھوٹ ظاہر کر دیا" اس کے جواب میں کیا زینب بھی ایسی ہی غیر سنجیدہ اور انسانیت سے گری ہوئی تقریر کریں ؟ لا واللہ!! زینب کی شان اس سے ارفع و اجل تھی، وہ اس موقع پر باطل کا مقابلہ حق سے،

لغو باتوں کا جواب دلیل و برہان سے دے رہی تھیں اُنھوں نے کتنی شاندار لفظوں میں جواب دیا جن پر بلاغت نثار ہو رہی ہے۔

"رُسوا وہ ہوتا ہے جو فاسق ہو اور جھوٹ اُس کا کھُلتا ہے جس کو سچّائی کا لحاظ نہ ہو اور وہ ہم نہیں ہمارا غیر ہے"۔ حسینؑ و انصار حسینؑ نے ظہر عاشور دشمنوں کا مقابلہ کیا، اُن کے ہاتھوں میں چلتی ہوئی تلواریں تھیں، اُن کے دوش پر باڑہ دار نیزے تھے، عزت اُن پر سایہ فگن اور شرف ان کے ہم رکاب تھا، ان میں سے ایک اُس وقت تک قتل ہوتا تھا جب وہ دشمنوں میں سے سیکڑوں کو قتل کر لیتا تھا، وہ خوش تھے، اُن کے لبوں پر تبسم تھا صرف اس خیال سے کہ تھوڑی دیر میں وہ دنیوی آلام سے نجات حاصل کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنۃ الفردوس میں جا کر قیام کرنے والے ہیں۔ یہ اُس موقف کی صورت تھی جہاں شہدائے کربلا کو کھڑا ہونا پڑا تھا لیکن وہ موقع جو زینب کبریٰ اور اُن کے ساتھ کی مخدرات عصمت کو برداشت کرنا پڑا اس سے مختلف ہے، وہ دربار ابن زیاد میں قیدی کی صورت میں کھڑی تھیں، وہ نظر اُٹھا کر جدھر دیکھتی تھیں سوائے شماتت کرنے والے دشمنوں اور ہنس ہنس کر طعن و تشنیع کرنے والے اشقیا کے کوئی نظر نہ آتا تھا، اُن کی آنکھوں کے سامنے وہ جفا کار اشخاص موجود تھے جن کی تلواروں نے اُن کے جوان فرزندوں، بھائی بھتیجوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا، وہ اپنے تئیں ایک ایسے مقام پر قیدی کی صورت

میں دیکھ رہی تھیں جہاں وہ ایک وقت میں سلطنت کر چکی تھیں۔

یہ تمام باتیں وہ ہیں جو انسان کو بے قابو، عقل و حواس کو مختل اور زبان و دل کو بے طاقت بنا دیتی ہیں، جن کی موجودگی میں شجاع ترین انسان ایک کلمہ زبان سے کہنے کے قابل نہیں ہوا کرتا۔

زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے ان خصوصیات و حالات کو دیکھتے ہوئے کیا کسی شخص کو یہ کہنے میں جھجک ہو سکتی ہے کہ انھوں نے دربار ابن زیاد میں جس منزل کو طے کیا وہ اُس مرحلہ سے زیادہ دشوار تھی جس کو انصار سید الشہداء نے کربلا کے میدان میں قطع کیا؟ تاریخی حالات کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ اُن طاقت ربا اور ہمت شکن حالات کی موجودگی میں ابن زیاد کے سامنے زینب کی زبان میں لُکنت یا اُن کے دل میں کسی قسم کا اضطراب یا اُن پر کسی طرح کے خوف و دہشت کا اثر تھا؟ کیا یہ واقعہ نہیں کہ انھوں نے اس موقع پر ایسی پُر حقائق تقریریں کیں جن کو اگر ایک فارغ البال اور مطمئن شخص کئی رات دن کی فکر میں تیار کرتا تب بھی وہ اپنی نوعیت میں یادگار کی حیثیت رکھتیں۔ پھر جناب زینب نے تو ہزاروں اشخاص کے مجمع میں ایسے موقع پر ان خطبوں کو ارشاد فرمایا تھا جب وہ مصائب اور شدائد کے بتیس دانتوں میں زبان کی طرح گھری ہوئی تھیں، جبکہ مظالم کی چکی اُن پر چل رہی تھی اور اُن کی زندگی کا مشکل ترین موقع تھا، آخر ابن زیاد

نے جب پوری طرح سمجھ لیا کہ زینب پر اُس کی سطوت و شوکت کا ذرہ برابر اثر نہیں ہے اور یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ ان کی باتیں رائے عامہ کو اُس کے خلاف منقلب نہ کردیں اور اُس کی رُسوائی اور فضیحت میں نقاب خفا کے جو تھوڑے بہت تار باقی ہیں وہ بھی معدوم نہ ہوجائیں تو اُس کو تقریر کا رُخ بدلنا پڑا اور آخری لفظین جو اُس کی زبان سے نکلیں وہ یہ تھیں (لعمری انھا لسجاعۃ ولقد کان ابوھا اسجع منھا) خدا کی قسم زینب بڑی عبارت آرائی کرنیوالی ہیں اور ان کے باپ تو ان سے زیادہ عبارت آرائی میں کامل تھے۔

نہیں نہیں اے ابن مرجانہ! زینب صرف عبارت آرائی کرنیوالی نہیں ہیں۔ وہ ثبات و استقلال کا مجسمہ، حقانیت و صداقت کا پیکر ہیں وہ حکومت جابرہ اور سلطنت ظالمہ کے مقابل حق کی آواز بلند کرنے کی امانتدار ہیں وہ علی بن ابی طالب کی یادگار ہیں جنھوں نے دنیا کو فصاحت و بلاغت اور شجاعت و جرأت کا سبق دیا وہ معصومۂ کبریٰ فاطمہ زہرا کی بیٹی ہیں جن کی عصمت و طہارت پر آیۂ تطہیر نے مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔ نہ مرجانہ اور سمیہ یا ہند جگر خوارہ جن کے رُسوائے عالم واقعات سے تاریخ کی پیشانی عرق انفعال سے تر ہے۔

زینب کی یہ شجاعت و جرأت ایک مرتبہ دو مرتبہ سے مخصوص نہیں بلکہ اُس کا ظہور ہر اُس موقع پر ہوتا رہا کہ جب مشکلات کا ہجوم اور مصائب کا اژدہام تھا۔ جبکہ تماشائیوں سے بازار، کوٹھے، برآمدے مملو تھے۔ کوفہ میں داخلِ

کے وقت، کوفہ سے نکلنے کے موقع پر، راستے میں، بازار شام کے اندر، ہر مناسب موقع پر زینب کی زبان فریضۂ تبلیغ میں گویا تھی۔ انھوں نے حق کے واضح کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا انھوں نے ہر موقع پر ایسی تقریر کی جو کسی ایسے خطیب سے بھی ناممکن ہے جس کے لیے تمام خاطر جمعی اور راحت واطمینان کے اسباب جمع ہوں

قیدیوں کا قافلہ کوفہ میں پہونچا، اُس صورت میں کہ جس سے پتھر کا دل بھی پگھل جائے۔ زنان کوفہ نے فطرتاً بیچین ہوکر رونا شروع کیا، سید سجاد نے ضعف و مرض کے باعث تھرتی ہوئی آواز میں کہا "تم ہی لوگوں نے تو ہمارا خون بہایا اب تمھاری عورتیں ہمارے حال پر روتی ہیں، ہمارا تمھارا فیصلہ روز جزا خدا کے سپرد ہے"

پھر تو واقعہ کی دردانگیزی بڑھی اور مرد و زن ہم آواز ہوکر رونے لگے امام نے فرمایا "تم لوگ ہمارے لیے روتے نوحہ کرتے ہو پھر آخر ہم کو قتل کس نے کیا ہے؟"

بشر بن خزیم اسدی ناقل ہیں کہ اس موقع پر زینب بنت علیؑ نے مجمع کی طرف رُخ کیا اور تقریر شروع کی، میں نے آج تک کسی پردہ نشین عورت کو اتنی پُر زور تقریر کرتے ہوئے نہ سُنا تھا۔ گویا علی بن ابی طالبؑ کھڑے ہوئے تقریر کر رہے تھے۔ انھوں نے لوگوں کی طرف سکوت کا اشارہ کیا جس کے ساتھ ہی ہر طرف خاموشی چھاگئی۔ انھوں نے کہا۔

"حمد کا مستحق خدا ہی اور صلوٰۃ و سلام میرے پدر بزرگوار محمد مصطفیٰؐ" اور اُن کی

عترت کے ساتھ مخصوص ہی۔ اے اہل کوفہ۔ اے اہل مکر و دغا تم روتے ہو؟
خدا کرے ان آنسوؤں کو تھمنا نصیب نہ ہو اور ان نوحہ و فریاد کی آوازوں
میں سکون نہ ہونے پائے (آپ کی تقریر کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ فرمایا)
کیا تم سچ مچ آنسو بہا رہے ہو اور چیخیں مار مار کر رو رہے ہو؟ بے شک تم اسی کے
مستحق ہو۔ جتنا ممکن ہو زیادہ روؤ اور ہنسی کو کم آنے دو تم سمجھے بھی کہ رسولِ خدا
کے جگر کو کیسے تم نے چاک کر دیا اور اُن کے گھرانے کی کیسی عزیز خواتین کو تم نے بے پردہ
کیا اور اُن کا کیسا خون تم نے زمین پر بہایا اور اُن کی کتنی بڑی ہتک حرمت تم نے
کی؟ کیا تم کو اس بات پر تعجب ہی کہ آسمان سے خون برسا؟ یہ تو کچھ نہیں! آخرت
کا عذاب بہت سخت ہی اور اُس وقت تمھارا کوئی مددگار نہ ہوگا اس چند روزہ
مُہلت کے زمانہ سے مغرور نہ ہونا، خدا کو جلد بازی کی ضرورت نہیں، نہ موقع
نکلنے کا خوف ہی، وہ یقیناً تمھاری تاک میں لگا رہے گا۔

راوی ناقل ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا بے ہوش و حواس دانتوں میں
اُنگلیاں دبائے ہوئے رو رہے تھے اور ایک بڑھے کو میں نے روتے ہوئے دیکھا
وہ کہہ رہا تھا ”میرے ماں باپ تم لوگوں پر نثار، تمھارے بوڑھے تمام دنیا کے
بوڑھوں سے بہتر اور تمھارے جوان تمام جوانوں سے بہتر اور تمھاری
عورتیں تمام عورتوں میں افضل و بہتر اور تمھاری نسل تمام جہان کی نسل سے
بہتر ہے، نہ وہ کبھی ذلیل ہو سکتی ہے نہ رُسوا۔“

پھر ام کلثوم نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ کہا اور ان کے بعد فاطمہ بنت الحسین نے تقریر کی (الحمد للہ عدد الرمل والحصیٰ و زنۃ العرش الی الثریٰ الخ)

یہ اس وقت کا تذکرہ ہے جب یہ قافلہ بے پردہ محمل و کجاوہ کے اندر کوفہ میں جا رہا تھا یا دربار ابن زیاد میں لایا گیا تھا، لیکن اب ذرا آگے بڑھ کر دربار یزید پر ایک نظر ڈالو اور دیکھو یہ قافلہ اس دربار میں کس طرح لایا جاتا ہے۔

یزید سریر حکومت پر دو نشوں میں سرشار بیٹھا ہے، ایک نشۂ شراب دوسرے نشۂ فتح و ظفر اور اس کے گرد طواغیت بنی امیہ و بنی عبد الشمس، ارکان دولت طلائی و نقرئی کرسیوں پر حریر و دیبا کے لباسوں میں ملبوس مجتمع ہیں شراب کے دور چل رہے ہیں اور دولت و ثروت، طرب و نشاط کا نقشہ کھنچا ہوا ہے، اس حالت میں خاندان رسالت کی عورتیں اور بچے رسیوں میں بندھے ہوئے دربار میں لائے جاتے ہیں، اس وقت یزید کے مسرت و نشاط کا پارہ ذرا اونچا ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس بات کی آرزو کرنے لگتا ہے کہ کاش جنگ بدر میں لشکر اسلام کے ہاتھوں سے قتل ہونیوالے اس کے بزرگ ہوتے اور وہ دیکھ لیتے کہ خاندان رسالت سے ان کا بدلہ کس طرح سے لیا گیا (لیت اشیاخی ببدر شہدوا الخ)

یہ موقع وہ تھا کہ معصومۂ صغریٰ زینب کبریٰ کھڑی ہوئیں اور وہ تقریر شروع کی جس نے یزید کے تمام جاہ و جلال کی عمارت کو متزلزل کر دیا، ان الفاظ کو غور سے سنو اور دیکھو ان الفاظ اور ان کے معانی کی شان و شوکت اور پُرزور طاقت

کس طرح یزید کو اُس کے تمام جبروت سمیت پرکاہ سے زیادہ بے وقعت ثابت کر دیتی ہے۔!! زینب سلام اللہ علیہا کھڑی ہوئیں اور کہا "کتنا سچا ہے میرے پروردگار کا ارشاد (ثم کان عاقبۃ الذین اساءو االسوٰی ان کذبوا بآیات اللہ وکانوا بہا یستہزءون) "آخر میں اُن لوگوں کی جنھوں نے برے اعمال کیے یہ نوبت پہونچی کہ انھوں نے آیات خدا کی تکذیب کی اور وہ اُن کی ہنسی اُڑاتے تھے" تو نے اے یزید کیا یہ گمان کیا کہ جب تو نے ہم پر زمین و آسمان کے تمام رستوں کو بند کر دیا اور ہماری حالت یہ پہونچی کہ تیرے سامنے قیدیوں کی طرح لائے جائیں تو اس سے خدا کی نظر میں ہماری حقارت اور تیری کچھ عزت ہو گئی اور یہ کہ تیری کامیابی تیرے رفعت مراتب کے باعث تھی؟ اس خیال سے تیری ناک چڑھ گئی اور تو خوش ہو ہو کر (غرور و تکبر کے ساتھ) اپنے شانوں پر نظر ڈالنے لگا جب تو نے دیکھا کہ دنیا تیرے حکم کی پابند اور امور مملکت منظم و مرتب ہیں اور ہماری سلطنت و حکومت تیرے لیے تمام خطرات سے صاف ہو گئی کیا تو بھول گیا قول خدا کو کہ "نہ خیال کریں۔۔ وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا کہ ہم جو اُن کو مہلت دیتے ہیں وہ اُن کے لیے اچھی بات ہے ہم تو اُن کو مہلت دیتے ہیں اس لیے کہ وہ خوب دل کھول کر گناہ کریں اور آخر اُن کے لیے حقارت آمیز سزا مقرر ہے" کیا انصاف کا اقتضا یہی ہے کہ تو اپنی عورتوں کنیزوں کو تو پردے میں رکھے ہوئے ہے اور دختران رسوؐل کو قیدیوں کی

صورت میں در بدر پھراتا ہی پھر اُس پر بڑی بیباکی اور جرأت کے ساتھ کہتا ہے (لاھلّوا واستھلّوا فرحا) اگر بدر میں مارے جانے والے بزرگ اس کو دیکھتے تو خوشی کے مارے چیخ اُٹھتے۔

تو اپنے بزرگوں کو بخیال خود پکارتا ہی گھبرا نہیں تھوڑے ہی دن میں تو بھی اُسی گھاٹ پر پہونچے گا اور یقیناً اُس وقت تو آرزو کرے گا کہ کاش تیرے ہاتھ شل اور زبان گنگ ہوتی اور تو نے جو کچھ کہا اُس کو نہ کہتا اور جو کیا اُس کو نہ کرتا، تیرے لیئے اس سے بڑھ کر کیا ہو گا کہ خدا فیصلہ کرنے والا اور محمد مصطفےٰ تیرے مقابل میں مدعی اور روح الامین اُن کی پُشت پناہ اور مددگار ہون گے اُس وقت اُن لوگون کو بھی جنھون نے تیرے افعال کی تائید کی اور تیرا ساتھ دے کر مسلمانون کی گردنون پر مسلط کیا معلوم ہو گا کہ ظالمین کو کیا بُرا بدلا دیا جاتا ہی۔

کیا کسی مصور یا مضمون نگار کا قلم یزید کی حالت اور فتح و ظفر کے باعث اُس کے خوشی و نشاط اور غرور و تکبر کی تصویر بر موقع اس موثر انداز سے کھینچ سکتا ہے جس صورت سے زینب کبریٰ نے اس مختصر وقت میں کھینچی تھی؟ کیا کسی واعظ شیرین زبان اور مبلغ کی یہ طاقت تھی کہ وہ اُس موقع پر یزید کے بڑھتے ہوئے سرکشی و تمرد کے پارے کو اس صورت سے گھٹاتا؟

کیا اپنے طاقت ور اور مالک تاج و تخت دشمن کے مقابل میں اپنی عظمت و جاہ و جلال کا بیان اس وقت پر ممکن تھا کہ جب ظاہری اسباب کو دیکھتے ہوئے

عزت و احترام کے تمام حیثیات مفقود اور ذلت و اہانت کے تمام اعتبارات موجود ہیں؟ یہ حق کی طاقت تھی جس نے اس وقت یزید کے سر کو خم کر دیا حضرت زینب نے اتنے ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ چاہا کہ خود اس کو اور اس کے ہم نشین اہل دربار کو حق کا جاہ و جلال اور باطل کی سچی بے وقعتی اور کم قدری مجسم صورت سے دکھلا دیں اور یہ کہ کس طرح جوہر حقیقت کی مالک ہستیاں قوت و سلطنت اور خوف و ہیبت کے اسباب کی طرف ذرہ برابر پروا نہیں کرتیں انہوں نے چاہا کہ خود یزید کو اس کی کم قدری اور بے حقیقتی، پست فطرتی اور بے بضاعتی حسب و نسب کی پستی کا احساس کرا دیں اور دکھلا دیں کہ وہ خود اس سے اجل و ارفع ہیں کہ اس سے بات تک کرنا پسند کریں، ارشاد ہوتا ہے۔

"اگرچہ انقلابات زمانہ نے یہ نوبت پہنچا دی کہ میں تجھ سے بات کر رہی ہوں حالانکہ میں تیری قدر و منزلت کو بہت کم جانتی ہوں اور تیری توبیخ و سرزنش کو اپنے لیے بڑی مصیبت سمجھتی ہوں لیکن کروں کیا کہ دل بھرا ہوا اور کلیجے میں آگ لگی ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ خدا پرست افراد شیطانی لشکر کے ہاتھوں قتل ہوں!!!"

اس کے بعد حضرت زینب نے چاہا کہ صریحی طور پر فلسفۂ مظلومیت اور اس کے نتائج اور ظاہری فتح میں شکست اور شکست میں فتح کا پہلو اور ظاہری اسباب کا انجام کی حیثیت سے معکوس نتیجہ واضح کر کے بیان کر دیں اور بتلا دیں

کہ مقصد میں کامیابی اور نتیجہ کی خوشگواری اُن کے لیے تمام مشکلات کو آسان کیے ہوئے ہے یہی وہ نکتہ ہے کہ جس کے بیان میں اہل قلم بسیط سے بسیط مضامین لکھے ہیں اور جس پر حسینی سیاست کی حقانیت و صداقت کا دارو مدار ہے۔

فرماتی ہیں۔ " اچھا اے یزید (تجھکو قسم ہے) تو کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھ اور اپنی پوری کوشش کو صرف، اپنی تمام جدوجہد کو ختم کردے۔ لیکن (یاد رکھو) خدا کی قسم تو ہمارے ذکر کو محو، ہماری زندگی کو فنا نہیں کر سکتا اور نہ ہمارے اصلی مقصد تک تو پہنچ سکتا ہے، اس واقعہ کا ننگ و عار تجھ پر قیامت تک باقی رہے گا اور تو کبھی اس کو دھو نہیں سکتا۔ تیری رائے یقیناً غلطی پر، تیرے ایام زندگی بہت محدود۔ تیرے اردگرد کا مجمع بہت جلد تتر بتر ہونے والا ہے، وہ دن بہت نزدیک ہے جب منادی کی آواز بلند ہوگی الا لعنۃ اللہ علی الظالمین شکر ہے اُس خدا کا جس نے ہمارے پیشرو بزرگوں کا انجام سعادت کے ساتھ اور ہمارے آخری بزرگ کا انجام شہادت و رحمت کے ساتھ مقرر کیا اور وہ ہمارے لیے کافی اور بہترین ناصر و معین ہے"۔

یہ مختصر اقتباسات تھے اُس طویل خطبہ کے جو بلاغت و فصاحت کے اعتبار سے ایک معجزہ ہے، اُس کے الفاظ کی طاقت اور عبارت کا لطف انسجام ہماری اُردو زبان میں کہاں؟ ہم اُس کے معنوی مفاد کو اپنی لفظوں میں پیش کریں گے ہیں۔ کیا اس میں کوئی شک ہو سکتا ہے کہ اس تقریر کا ہر فقرہ

یزید کے لئے ہزار ہزار تلواروں اور تیروں کے زخم سے زیادہ سخت تھا اور کیا اس کا انکار کیا جا سکتا ہے کہ یہ خطبہ اور اس کے ایسے دیگر خطبے جن کو تاریخ نے ہم تک پہونچایا ہی یا نہیں وہ ہی ایسے پُر طاقت اسلحہ تھے جنھوں نے یزید اور بنی امیہ کے تخت حکومت کو اُلٹ کر اُن کو نیست و نابود کر دیا۔

کیا یہ واقعہ نہیں کہ امام حسینؑ اور اُن کے انصار و اقارب کے قتل ہو چکنے کے بعد ان مخدرات عصمت کا ایسے ایسے ہولناک موقعوں پر قیام اور اُن کے حقائق و واقعات سے مملو خطبے نہ ہوتے تو حسینؑ کا قتل بالکل بے اثر اور اُن کا خون رائگاں ہو جاتا۔ نہ اسلامی دنیا میں اُس کی کوئی اہمیت ہوتی۔ نہ کسی شخص میں جذبۂ انتقام پیدا ہوتا۔

اُن کا قتل بالکل عبد اللہ بن زبیر اور اُس کے بھائی مصعب کے قتل کی صورت اختیار کر لیتا جس سے نہ کوئی مقصد حاصل ہوا نہ اُس کا بدلا لیا گیا لیکن حسینؑ کے قتل نے عالم اسلامی میں آگ لگا دی اُن مخدرات عصمت کا قید سے رہا ہو کر مدینہ پہونچنا تھا کہ اموی سلطنت میں انقلاب کے اسباب پیدا ہونے لگے۔ کوفہ میں جمعیت توابین سلیمان بن صرد خزاعی اور اُن کے ساتھیوں سے لے کر بعد کے واقعات سب اسی اثر کا نتیجہ تھے جو اہل حرم کے ورود کوفہ کے بعد سے لوگوں کے قلوب میں راسخ ہو گیا، یزید و ابن زیاد کو ایک دن بھی چین سے نصیب نہ ہوا، اموی سلطنت نیست و نابود ہوئی اور اس طرح کہ قیامت تک

کوئی اس کا نام لیوا پیدا نہ ہوگا۔

حسینؑ بن علیؑ زندہ ہیں۔ اُن کی تحریک بھی قیامت تک زندہ ہے لیکن یزید و اعوان یزید فنا ہوئے اور اُن کے نام و نشان بھی ہمیشہ کے لیے محو ہو گئے اسی مقصد کی تکمیل کے لیے سید الشہداء اہل حرم کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ اور یہی وہ عظیم ربانی سیاست اور انجام بینی تھی جس نے ایک مرتب و منظم سلطنت کی بنیادوں کو چند روز کے اندر متزلزل کر دیا،

دنیا نے حسینؑ کو اب تک نہیں پہچانا ہے، وہ اُن کے تدبر اور سیاسی سوجھ بوجھ کو شبہ کی نظر سے دیکھتی ہے، وہ اہل حرم کے اس سفر میں اپنے ساتھ لانے کو ناعاقبت اندیشی سے تعبیر کرتی ہے لیکن تاریخی حقائق میں غور و فکر ایسے اعتراضات کو بے بنیاد ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

کربلا میں حسینؑ بن علیؑ کا ہر طرز عمل عظیم حکم و اسرار کا سرمایہ دار تھا، دیکھنے کے لیے آنکھ اور سمجھنے کے لیے دل کی ضرورت ہے۔

(تمام شد)